اسلامی قانون جامد کیوں؟

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

سوال: اسلام کا قانون جامد کیوں ہے؟ انسانوں کو قانون دینے کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پیش آئی؟ - یہ انسانوں کا اپنا معاملہ ہے، جیسے چاہیں وہ قانون بنائیں -

---

یہ بات تو دُنیا کے تمام قانون دانوں اور دانشوروں کے نزدیک مُسلم ہے کہ قانون نافذ کرنے والے جج اور قاضی کو دیانت دار اور انتہائی غیر جانب دار ہونا چاہیے - اس بات میں کسی بھی معقول شخص کو اختلاف نہیں ہے اب اگر قانون کے نفاذ کے لیے دیانت داری اور غیر جانب داری اس قدر ضروری ہے تو پھر قانون سازی کے لیے دیانت داری اور غیر جانب داری بدرجہا ضروری ہوتی چاہیے - ہر کس و ناکس سے، افراد سے اور گروہوں سے کیسے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ قانون سازی میں دیانت داری اور امانت داری اور غیر جانب داری کے تقاضے پوری طرح ملحوظ رکھیں گے - کون انسان ہے جو شخصی پسند و ناپسند اور طبقاتی، گروہی اور علاقائی عصبیتوں سے بالاتر ہو - آج کے دور میں اسمبلیاں قانون سازی کرتی ہیں - اسمبلیوں میں کسی ایک سیاسی پارٹی کی اکثریت ہوتی ہے - قانون دراصل وہ بناتی ہے - کیا سیاسی پارٹی عصبیت سے بالاتر ہوتی ہے، بلکہ امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ پارٹی کے مقاصد پورے کرنے کے لیے قانون سازی کرتی ہے - اس کے لیے قانون سازی بھی حصول مقاصد میں ایک زینہ کا کام دیتی ہے - کیا یہ قانون دیانت داری اور امانت داری کے تقاضے پورے کرتا ہے؟

پھر انفرادی اور گروہی عصبیتوں سے بڑھ کر زمانی اور مکانی عصبیتیں بھی ہوتی ہیں - سارا خطہ ایک

خاص قسم کی عصبیت میں مبتلا ہوتا ہے، سارا دور ایک خاص قسم کی عصبیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ عصبیت ہمہ گیر نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔ یہ بڑی بدقسمتی ہے۔ یورپ کے معاشرہ میں صدیوں تک عورتوں اور مردوں کے لیے مجرد رہنا، ازدواجی تعلق سے ناآشنا رہنا اعلیٰ ترین کردار سمجھا جاتا رہا۔ کوئی فرد اس کے خلاف لب کشائی نہیں کرتا تھا۔ آج متفقہ طور پر سب لوگ اس طرزِ عمل کو غلط اور بُرا سمجھتے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس پورے دور کی عقلِ اجتماعی غلط کار تھی، حق سے ناآشنا تھی۔ ہندوستان میں صدیوں تک شوہر کی موت پر بیوی کو لاش کے ساتھ جل مرنا پڑتا تھا۔ ستی ہونا پڑتا تھا۔ کسی کو اس میں کوئی عیب نظر نہیں آتا تھا۔ عورت پر کتنا صریح ظلم تھا۔ آج سارا ہندوستان اس فعل کو غلط قرار دیتا ہے۔ گویا صدیوں تک عقلِ انسانی غلط کاری میں سرگرداں رہی۔ مختلف قسم کی عصبیتیں عقلِ انسانی کی کارکردگی کو مجروح اور ناقص بناتی رہتی ہیں۔ انسان جب اپنی اس عقل کے ساتھ قانون سازی کرتا ہے تو نہ دیانت دار رہ سکتا ہے نہ امانت دار رہ سکتا ہے اور نہ غیر جانب دار۔ کسی بھی ملک کی قانون سازی کی تاریخ پڑھ لیجیے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ انسانی عقل کس کس طرح قلابازیاں کھاتی رہی ہے۔

مغربی ممالک کی فکری فضا میں سکۂ رائج الوقت ڈاروینیت ہے جس میں ساری اہمیت بقائے اصلح (SURVIVAL OF THE FITTEST) کو حاصل ہے۔ جس میں طاقتور کو حق حاصل ہے کہ وہ کمزوروں کو دبائے، کچلے اور پیسے۔ انسانیت، شرافت اور اخلاق کا وہاں گزر نہیں۔ اسی نظریے سے تقویت پاکر یورپ اور امریکہ نے ساری دنیا کو دبا رکھا ہے اور کچل رکھا ہے۔ اقوامِ متحدہ عدل و انصاف کا عالمی ادارہ ہے، وہاں جس طرح قانون سازی کی جاتی ہے اور پھر جس طرح اس کو نافذ کیا جاتا ہے، وہ ظاہر و باہر ہے۔ وہاں چھ مقتدر ریاستیں ویٹو کے قانون کی حامل ہیں۔ ان کے خلاف دادرسی کا کوئی امکان نہیں۔ وہ گویا گناہ سے پاک اور غلطی سے مبرا ہیں۔ دوسرے درجے پر اینگلو سیکسن اقوام کا دائرہ ہے۔ ان کا مرتبہ بھی بلند و بالا ہے۔ ان کے حقوق بھی وہاں محفوظ ہیں۔ پھر ایشیا اور افریقہ کی رنگدار اقوام ہیں۔ ان کو دبایا، کچلا اور پیسا جا سکتا ہے اور عملاً یہی کچھ ہو رہا ہے۔ سیاسی طور پر وہ سفید فام اقوام کے خصوصاً دو بڑی طاقتوں کے آگے دست نگر ہیں اور معاشی طور پر بھی ان کے آگے دست نگر ہیں۔ یہ ہے انسانوں کے عالمی ادارہ کی قانون سازی اور قانون کی تعمیل۔ کیا وہاں انصاف ہے، عدل ہے؟

کیا وہاں مساوات ہے؟ کیا دیانت ہے، امانت ہے؟ کیا جانب داری نہیں ہے؟

ڈارونیت کی قائل مغربی اقوام کو اس ظلم وستم پر کوئی تشویش نہیں۔ ان کے نزدیک قانونِ فطرت یہی ہے۔ انہیں اس چوٹ کی کسک محسوس نہیں ہوتی جو کمزور افراد اور کمزور اقوام ان کے ہاتھوں سہتی رہتی ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی کا ان کے یہاں یقین نہیں۔ آخرت میں اعمال کی جوابدہی پر ان کا ایمان نہیں۔ تنازع للبقا کے قانون پر اُن کا عمل ہے، اس سے آگے اُن کی پرواز نہیں۔ زندگی کا تصور ایک مسلمان کے نزدیک ہرگز یہ نہیں ہے۔ یہ دُنیا اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے پیدا کی ہے۔ دُنیا کی نعمتوں پر سب کا حق ہے۔ سارے انسان آزاد ہیں۔ علم، ارادہ، اختیار، تصرف کی قوتوں سے بہرہ ور ہیں۔ یہ نعمتیں اس لیے دی گئی ہیں کہ وہ بہتر سے بہتر اعمال کا مظاہرہ کریں۔ سارے انسان دُنیا کی زندگی میں درحقیقت ایک امتحان دے رہے ہیں۔ یہ نعمتیں اسباب و وسائل ہیں امتحان کے تاکہ وہ امتحان کا پرچہ (نامہ اعمال) بہتر سے بہتر طور پر حل کریں۔ مرنے کے بعد دوسری دُنیا میں اس کا نتیجہ برآمد ہوگا۔ پھر یا ترقی (PROMOTION) یا تنزل (DEMOTION)

اس حقیقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ یہ بات کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ چند چالاک اور شاطر افراد انسانوں کو اپنا محکوم اور غلام بنالیں۔ امتحان دینے میں مانع آئیں۔ امتحان میں خلل ڈالیں۔ لوگوں کو دبائیں کچلیں اور پیسیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قانون سازی کا حق اُصولی طور پر انسانوں کو نہیں دیا۔ بلکہ اپنے پاس رکھا ہے اور اس لیے نہیں دیا کہ انسان من مانی کر کے دوسرے انسانوں کو دباتے ہیں، کچلتے ہیں اور پیستے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ، تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	خبردار رہو، اسی کی خلق ہے اور اسی کا حکم ہے۔ اللہ بڑا با برکت ہے۔ سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ (الاعراف - ۵۴)

اس آیت میں کئی باتیں قابلِ توجہ ہیں، غور کرنے کے قابل ہیں:

۱۔ جس ہستی نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے، جس کی نظر تمام انسانوں کی احتیاجوں، تقاضوں اور مطالبوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اُسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ انسانوں کے لیے قانون بنائے،

وہ حکم نافذ کرے - وہ سارے انسانوں کے فائدے کے لیے ہوگا - تنگ نظر، تنگ دل انسان اس منصب عظیم کا اہل نہیں ہے -

۲ - وہ ہستی تمام انسانوں کی ساری صلاحیتوں کو پروان چڑھانا چاہتی ہے - وہ اعمال و کردار، تہذیب و اخلاق، تمدن و معاشرت ہر پہلو سے انسانوں کو ترقی دینا چاہتی ہے - وہ انسانوں کو برکت دینا چاہتی ہے - اس لیے قانون سازی کی وہ زیادہ اہل ہے - نہ کہ تنگ دل، تنگ نظر، خود غرض انسان -

۳ - وہ ہستی تمام انسانوں کی پرورش کرنے والی ہے - وہ انسانی مفادات - انفرادی، اجتماعی اور نوعی - کو بہتر طریق پر سمجھتی ہے اور پورا کرتی ہے اس لیے قانون سازی کی وہ زیادہ اہل ہے، نہ کہ تنگ نظر، تنگ دل اور خود غرض انسان -

یہاں تک اصولی بحث ہو رہی تھی کہ قانون سازی کا اہل انسان نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا دائرۂ کار ہے - آگے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ قانون سازی کس طرح کی ہے - اسلامی شریعت، اسلامی قانون دو اجزا پر مشتمل ہے - ایک حصہ دائمی ہے، مستقل ہے (RIGID) اور دوسرا تغیر پذیر ہے (FLEXIBLE) - قانون کا دائمی اور مستقل حصہ - جس کو معترضین نے جامد کا نام دیا ہے - اللہ تعالیٰ نے دو وجہ سے دیا ہے -

آج کی دنیا میں تغیر اور تبدل کا بڑا غلغلہ ہے - کہا جاتا ہے کہ ہر شے متغیر ہے - کہا جاتا ہے کہ مغربی انسان چاند پر جا پہنچا اور ہم ابھی تک زمین پہ ہی پڑے ہیں - بلاشک و شبہ انسانی معاشرہ میں تغیرات آتے ہیں - تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں - کوئی شخص اس کا انکار نہیں کرتا - مگر کوئی مرد فہیم اس بات پر بھی تو غور کرے کہ تغیرات کن پہلوؤں میں آئے ہیں اور کس درجہ میں آئے ہیں - کیا سارا انسانی وجود تبدیل ہو گیا؟ نہیں ایسا نہیں ہے - انسان کی جسمانی ساخت بدستور وہی ہے - آنکھ، ناک، کان، دل، دماغ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی - آج سے ہزاروں سال پہلے جو جسمانی ساخت تھی وہی آج بھی موجود ہے - کیا جسم کے مطالبات میں تغیر آگیا؟ ایسا بھی نہیں ہے - کھانے، آرام کرنے، جنسی خواہش رکھنے کی جبلتیں (INSTINCTS) وہی ہیں، جو قدیم انسان میں تھیں - کیا جذبات و عواطف میں تبدیلی آگئی ہے؟ ایسا بھی نہیں ہے - ایثار و ہمدردی، پیار و محبت، نفرت و حقارت، بغض و کینہ،

عداوت کے جذبات اور باطنی کیفیات بھی وہی ہیں، جو قدیم انسان میں تھیں۔ حُسنِ اخلاق، حُسنِ اعمال، اور حسنِ کردار کے معیارات بھی وہی ہیں جو قدیم انسان میں تھے۔ پہلے بھی بعض افعال مذموم اور جرائم شمار کیے جاتے تھے۔ آج بھی اُن کو مذموم اور جرائم سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان وہی ہے جو قدیم زمانہ میں تھا۔

تغیر جو کچھ آیا ہے وہ انسان کی ذات میں نہیں آیا ہے، انسان کی فطرت میں نہیں آیا ہے، بلکہ انسان کے تمدن میں آیا ہے۔ انسان کے داخل میں نہیں آیا ہے، انسان کے خارج میں آیا ہے۔ آدم کے بیٹے پتھروں سے یا ڈنڈوں سے لڑے ہوں گے، آج ہم بموں اور میزائلوں سے لڑتے ہیں۔ آدم کے بیٹوں نے پتّوں سے ستر ڈھانکا ہوگا، ہم نفیس کپڑے پہنتے ہیں۔ آدم کے بیٹے غاروں میں یا درخت کے نیچے آرام کرتے ہوں گے، ہم کوٹھیوں یا بنگلوں میں رہتے ہیں۔ ظاہر میں تغیرات آئے ہیں، بہت زیادہ تغیرات آئے ہیں، لیکن باطن میں وہی قدیم انسان موجود ہے۔ اس میں کوئی تغیر نہیں آیا۔

قانون سازی انسان کے لیے ہوتی ہے، اس کی ذات کے لیے ہوتی ہے، اس کے باطن کے لیے ہوتی ہے۔ جب ذات دائمی ہے، مستقل ہے تو پھر قانون کیوں نہ دائمی ہو اور مستقل ہو۔ اس لیے انسان کی فطرت سے واقف اللہ تعالیٰ نے جو قانون دیا ہے وہ دائمی کیوں نہ ہو۔ وہ ہر زمان و مکان کے انسان کے لیے کیوں نہ ہو۔ اس لیے قانونِ خداوندی، شریعتِ اسلامی کو دائمی اور ابدی ہونے میں کون سی شے مانع ہے۔ یہ فطرتِ انسانی کا عین تقاضا ہے کہ قانون دائمی ہو۔

عقلِ انسانی — انفرادی سطح ہو یا اجتماعی سطح — تلوّن مزاجی، عصبیت اور اغراض پرستی اور پروانہ کی نارسائی کے حصار سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اس کی نظر ہمیشہ وقتی اور ہنگامی مسائل کو ہی دیکھ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقوامِ عالم کی قانون سازی ہر دم متغیر رہتی ہے۔ جب تک فرد کی احتیاجات، تقاضے اور اُمنگیں، انسانی معاشرہ کے تقاضے اور مطالبات اور نوع کی طلب، منتہائے مقصود پیشِ نظر نہ ہو انسان کے لیے ایک گروہ اور ایک خطہ کے لیے بھی قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔ کسی انسانی عقل و فہم کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہوسکتا کہ وہ انفرادی، اجتماعی اور نوعی مطالبات کا حال اور استقبال میں تصور بھی قائم کر سکے، احاطہ کرنا تو بڑی بات ہے۔ اس لیے قانون سازی انسان کے دائرۂ فہم سے

ہی باہر ہے۔

دنیا میں انسان کی زندگی صلاحیتوں اور استعدادوں کی آزمائش کی زندگی ہے۔ انسان کو آزادی دی گئی ہے۔ علم، عقل، ارادہ و اختیار کی آزادی بخشی گئی ہے۔ تمام مخلوقات ـــ جمادات، نباتات، حیوانات ـــ کے مقابلہ میں انسان آزاد ہے۔ جو چاہے کرے، جو چاہے کرے جو چاہے نہ کرے۔ اسی آزادی میں اس کی آزمائش ہے کہ وہ راست روی اختیار کرتا ہے یا بدراہی اختیار کرتا ہے۔ ایک ایک لمحہ جو انسان کا دنیا میں گزر رہا ہے اس میں اس کا امتحان ہو رہا ہے۔ اس کا ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ وڈیو فلم تیار ہو رہی ہے۔ اس امتحان کے لیے انسان کے لیے پُرامن ماحول اور سازگار معاشرہ درکار ہے تاکہ سب انسان حسب حیثیت امتحان دیں۔ کوئی شخص خلل انداز نہ ہو۔ اپنا نامۂ اعمال بہتر سے بہتر بنائیں۔

انسانی معاشرہ میں امن اور سازگاری پیدا کرنے کے لیے کون سے اُمور ضروری اور لازمی ہیں۔ یہ انسان اپنی تلوّن مزاجی کے تحت معلوم نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قانون سازی اپنی جانب سے کر دی ہے۔ ان کو حدود اللہ اور نص صریح کہتے ہیں۔ حدود اللہ کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان ایک دائرہ میں اپنے اختیارات استعمال کرے اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ کرے۔ دوسروں کو بھی زندگی گزارنے کا حق دینا چاہیے۔

خلافت کے امتحان میں بیٹھنے والے ہر فرد کو ذات کا تحفظ حاصل ہونا چاہیے ورنہ وہ امتحان کیسے دے سکتا ہے۔ اس لیے اسلام نے قتل کو سنگین جرم قرار دیا اور مجرم کو ایسی ہی سنگین سزا کا مستحق قرار دیا۔ جو لوگ اس سنگین سزا کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ دراصل موت کے بعد کسی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔ بس یہی زندگی ہے، اس لیے جو مقتول ہے وہ تو مر گیا اور اب جو زندہ ہے (قاتل) وہ تو زندگی سے محروم نہ رہے، لطف اٹھائے۔ یہ خالص مادی اور حیوانی نقطۂ نظر ہے۔ زنا اسلام کے نزدیک سنگین جرم ہے۔ وہ اس کے لیے بھی سنگین سزا دیتا ہے۔ یہ اس لیے کہ خلافت کے امتحان کے نقطۂ نظر سے امتحان جاری رکھنے کے لیے انسانوں کی آمد کا تسلسل جاری رہنا چاہیے۔ انسانی بچہ جانوروں کے بچوں کے برخلاف بلوغ تک والدین کی نگرانی اور شفقت میں رہتا ہے۔ بڑی مدت کے بعد بالغ بنتا ہے۔ اس کی تربیت کے لیے خاندان کا وجود ضروری ہے۔ جہاں سے تربیت پاکر نووارد زندگی کے

امتحان میں داخل ہوتے ہیں اور اپنا پرچہ دیتے ہیں - اپنا نامۂ اعمال تیار کرتے ہیں - زنا کاری اس سارے سلسلہ کو نظر انداز کرنے بلکہ ختم کر دینے کے مترادف ہے - وہ صرف جانوروں کی سطح پر ازدواجی تعلقات قائم کرنے کا نام ہے - بعد کے اثرات اور نتائج سے وہ بے تعلق ہے - ایک مسلمان جس کے نزدیک آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے اور یہ دُنیا کی زندگی تیاری کی زندگی ہے وہ کیسے اس ساری اسکیم کو تلپٹ ہوتے برداشت کرے - اسی طرح قتل، زنا، چوری، ڈاکہ وغیرہ کا تعلق انسان کے بنیادی تصورات اور انسان کی بنیادی اسکیم سے ہے - فرد کو تحفظ دینے کے لیے اسلام نے ان سنگین سزاؤں کا اہتمام کیا ہے - ان سزاؤں کو اللہ تعالیٰ نے خود نافذ کر دیا تاکہ انسانی عقل اپنی تلوّن مزاجی سے اس میں مداخلت نہ کرے - یہ سزائیں مقدس بن جائیں -

انسانی عقل کی تلوّن مزاجی کا یہ حال ہے کہ ایک جانب اٹلی میں اور یورپ کے بعض دوسرے ملکوں میں سرے سے قتل کی سزا ہے ہی نہیں - دوسری طرف جنوبی امریکہ میں ایک گورے کے بدلے میں دو اور تین کالے قتل کیے جاتے ہیں - ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ امریکہ میں کالوں کو سنگسار (LYNCHING) کرنے کا حق عوام گوروں کو حاصل تھا - حدود اللہ اس تلوّن مزاجی کا علاج ہے -

اسلامی قانون کا دوسرا حصہ قابل تغیر ہے - تمدنی حالات میں تغیر آتا رہتا ہے، معیشت و معاشرت میں تغیرات آتے رہتے ہیں، جن کے باعث انسان کے اوضاع و اطوار میں بھی تغیرات آجاتے ہیں - اس لیے تغیر پذیر حالات سے مطابقت ضروری ہے - اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اہل علم پر اجتہاد کا دروازہ کھول دیا ہے - اس اجتہاد کے لیے چند شرائط ہیں:-

۱ — حدود اللہ اور نص صریح کی مخالفت نہیں ہو سکتی - یہ اجتہاد قرآن و سنت کے دائرہ میں رہ کر ہوگا - اس قانون سازی میں انسان بنیادی قانون کا پابند ہوگا، مطلق العنان، شترِ بے مہار اور فیل بے زنجیر نہیں ہو سکتا -

۲ — اس اجتہاد میں انسان کی بنیادی اسکیم — انسان کا خلیفۃ اللہ ہونا، دُنیاوی زندگی ایک امتحان ہونا — کو پیش نظر رکھا جائے -

۳ — آخرت میں اعمال کی جوابدہی کا تصور ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے -

۴ — علم و فضل اور تقویٰ کے لحاظ سے جو لوگ اہل ہیں اب ہی اجتہاد کر سکتے ہیں موجودہ (باقی ص ۴۴ پر)

(بقیہ اسلامی قانون جامد کیوں؟)

قوانین میں ایک حصہ قواعد و ضوابط کا ہے۔ یہ صحیح معنوں میں قانون نہیں ہے، بلکہ معاملات کو سہولت سے سرانجام دینے کے لیے طریقۂ کار ہے۔ اس میں جو بہترین طریقہ ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے۔

اس طرح اسلامی قانون، اسلامی شریعت دائمی (RIGID) اور تغیر پذیر (FLEXIBLE) دونوں حصوں کا مجموعہ ہے۔ اس لیے اسلامی قانون انسانی فطرت کے لیے زیادہ سازگار ہے۔ اس لیے یہ ہر زمان اور ہر مکان کے لیے موزوں ہے۔

تصحیح

ترجمان القرآن ماہ دسمبر ۱۹۸۸ء۔ مضمون علامہ ابن تیمیہؒ کا تفسیری ورثہ۔ صفحہ ۱۸۷ سطر نمبر ۱۹ میں امام بخاریؒ کے بجائے "امام فراہیؒ" پڑھا جائے۔ (ادارہ)